اگر کسی قوم میں علوم و فنون کے چرچے ہیں۔ اس کی تہذیب و ثقافت کا پایہ بلند ہے اور اس کی سطوت و جبروت کا چار دانگ عالم میں شہرہ ہے۔ مگر اس کے ارباب فکر و حکم نے گھر کے انتظام کی طرف خاطر خواہ توجہ مبذول نہیں کی میاں بیوی کے حقوق و فرائض کا کوئی واضح تصور ان میں پایا نہیں جاتا اور عورت کو وہ درجہ نہیں دیا گیا کہ جو اس کی فطرت کے عین مطابق ہے تو یہ تہذیب گھٹیا ہے۔ اور یہ قوم ہزار افتخار کے باوجود ذلیل ہے۔ یہی سبب کہ اسلام کے نزدیک معاشرتی زندگی اور میاں بیوی کے تعلقات کا مسئلہ اجتماعیت کا ایک بنیادی مسئلہ ہے۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ اسلامی لٹریچر میں جس درجہ تفصیلات اس بارے میں ملتی ہیں اور کسی مذہب میں اس کا عشر عشیر بھی موجود نہیں۔ بعض مستشرقین۔ ہمارے فقہا پر اس وجہ سے خفا ہیں کہ ان کے ہاں ان مسائل پر غیر ضروری اور تھکا دینے والی بحثیں ہیں۔ اور ایسی ایسی موشگافیاں اور تصریحات ہیں کہ جن کا وقوع پذیر ہونا ہی محل نظر ہے۔ ہم ان کی خفگی کو بالکل بے جا قرار نہیں دیتے۔ مگر اتنا ضرور عرض کریں گے۔ کہ وہ ان بحثوں پر اس نقطۂ نگاہ سے غور کریں کہ انہوں نے اس مسئلہ کو کس درجہ اہم سمجھا ہے اور اس کے متعلقات پر کس درجہ دیدہ ریزی اور جامعیت سے غور کیا ہے

میرج کمیشن کا یہ سوالنامہ۔ اسی پس منظر کے تحت تیار کیا گیا ہے کہ اسلامی نقطہ نگاہ سے ازدواجی تعلقات کی اصلاح پوری معاشرہ کی اصلاح و بہبود کے مترادف ہے۔ ہم اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ ایک ایک سوال کا تفصیلی جواب دیں۔ یہ کام ملک کے علمائے کرام اور ارباب فکر و اصلاح کا ہے ہمیں اس ضمن میں چند اصولی باتیں کہنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ اس سوالنامہ سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کن نکات کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

ہم تمام سوالات کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک حصہ ایسا ہے کہ جس میں نفیاً یا اثباتاً قرآن و حدیث کی متعین تصریحات نہیں ملتیں۔ لیکن ایسے اصول قطعی ملتے ہیں جن کو قرآن و حدیث نے بڑے زور اور اہمیت سے پیش کیا ہے اور ان کو اسلامی ہیئت اجتماعی کی جڑ اور بنیاد قرار دیا ہے۔ مثلاً شادی بیاہ کی رجسٹریشن کا مسئلہ ہے کہ اس کی تائید و مخالفت میں اگرچہ کوئی نص پائی نہیں جاتی تاہم عدل و انصاف کے زریں اصولوں کو اپنانے کی ہدایات جا بجا قرآن و سنت میں موجود ہیں۔ لہٰذا اس سوال کے جواب میں زیادہ تردد اور کاوش کی ضرورت نہیں۔ اگر ہماری ازدواجی زندگی کی عمارت کا عدل و انصاف کی بنیادوں پر استوار ہونا ضروری ہے۔ اور اس سے قطع نظر کر کے خوشگوار خانگی ماحول پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ تو اس کو قائم رکھنے کے لئے وہ طریق کار بہرحال ضروری ہوگا جو اس سلسلہ میں ممد و معاون ہو

دوسرا حصہ ایسے سوالات پر مشتمل ہے جن سے کسی نئی صورت حال کی طرف اشارہ کرنا مقصود نہیں بلکہ اس کے برعکس۔ واقعہ یوں ہے کہ ایک حکم ہمارے ہاں کتاب و سنت میں پوری وضاحت کے ساتھ پہلے سے موجود ہے اور اس پر بظاہر عمل بھی ہوتا ہے۔ لیکن اس کی تہ میں جو بات مضمر تھی۔ اس کو یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اچھا خاصہ معقول اور سمجھ میں آنے والا دستور محض مضحکہ خیز رسم بن کر رہ جاتا ہے، جیسے ایجاب و قبول کا

حکم ہے۔ اس کو ہم تسلیم کرتے ہیں۔ اور شادی کی ہر تقریب میں اس پر عمل بھی ہوتا ہے۔ لیکن ایسے ڈراما ئی انداز میں کہ جس حد تک لڑکی یا دلہن کا تعلق ہے ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ رسمی ایجاب فی الواقع اس کے دل کا ایجاب ہے اور اس کے والدین یا دوسرے اولیاء کی خواہشوں کا اس میں کوئی دخل نہیں۔

نکاح اگر ایک معاہدہ ہے اور یقیناً نہایت ہی اہم معاہدہ ہے تو دریافت طلب یہ بات ہے کہ کیا عورت اس میں ایک معاہدہ کرنے والے کی حیثیت سے شریک ہوتی ہے۔ ایسے حالات پیدا کئے جاتے ہیں کہ جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ اس نے معاہدہ کی پوری ذمہ داریوں پر غور کر لیا ہے۔ اور سمجھ سوچ کر اپنی رائے سے اپنے مستقبل کا فیصلہ کیا ہے۔ اس نوع کے سوالات کا منشا در اصل اس سے زیادہ نہیں کہ شریعت کے مصرح و مقاصد کی تکمیل کے لئے ایسے قانونی ذرائع اختیار کئے جائیں کہ جو ہر حالت میں ان کی معنویت و افادیت کو برقرار رکھ سکیں۔ اور ان مفاسد کا سدِ باب کر سکیں کہ جو شریعت کی روح اور فلسفہ کو ملحوظ نہ رکھنے سے اگر ابھرتے ہیں اور معاشرہ میں بگاڑ پیدا کرتے ہیں۔

تیسرا حصہ درحقیقت لائق توجہ ہے۔ اس میں سوالات کی نوعیت ایسی ہے جو مجتہدانہ بصیرت و جرأت کی متقاضی ہے۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے ہم پورے وثوق اور اعتماد کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کوئی جامد اور ساکن نظریہ حیات نہیں کہ جو تاریخ کی کروٹوں کے ساتھ ساتھ نہ چل سکتا ہو اور جس میں اس حقیقت کو ملحوظ و مرعی نہ رکھا گیا ہو کہ زمانہ ہر آن بدلنے والا اور آگے بڑھنے والا ہے۔ اور فقہ و قانون کی جکڑ بندیاں یا تنگ نظری و جمود اس کا راستہ روکنے والا نہیں! اس میں اجتہاد و قیاس کی لچک پائی جاتی ہے۔ اور ہر دور کے علماء اور صاحب بصیرت اصحاب کا فرض ہے کہ وہ اس لچک سے فائدہ اٹھائیں جیسا کہ ماضی میں ابو حنیفہ، شافعی، اوزاعی اور ابن تیمیہ وغیرہ نے اٹھایا۔ مزید برآں نہایت حوصلہ افزا بات ان کے لئے یہ ہے اگر معتزلی تو میں اپنے فرسودہ قوانین کو زندگی کے مطابق بدل سکتی ہیں اور ان کو نئے قالب اور نئی صورت میں پیش کر سکتی ہیں جب کہ ان کو ایسا کرنے کا کوئی دینی حق نہ تھا تو مسلمانوں کو تو کہیں اس سے زیادہ اس کا استحقاق حاصل ہے کہ وہ اپنے گرد و پیش پھیلے ہوئے معاشرہ کا تنقیدی نظر سے جائزہ لیں اور اس کے لئے ایسے قوانین کا استنباط کریں جو ہر طرح ان کی ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا کر سکتے ہوں۔ کیونکہ ان کی شریعت نے ان کو ایسے استنباط و قیاس کی پوری پوری آزادیاں بخش رکھی ہیں۔

لطف یہ ہے کہ ہمارے علماء بھی اجتہاد و قیاس کے اس حق کو تسلیم کرتے ہیں اور مانتے ہیں کہ تغیر احوال سے مسائل و فروع کی سمتیں بدل جاتی ہیں۔ چنانچہ ان کے ہاں بہت سی تفریعات کی بنیاد یہ اصول بھی ہے لیکن جرأت بصیرت کی کمی اور فقدان کا یہ عالم ہے کہ صدیوں سے کبھی اس حق کا استعمال حق کی حیثیت سے کیا نہیں گیا۔

حالانکہ حالات و کوائف کے کتنے ہی رُخ ایسے نظر و فکر کے سامنے آتے کہ اگر اس وقت اجتہاد و رائے کا استعمال کیا جاتا اور اس کی روشنی میں تمام پیدا شدہ مشکلات کا جائزہ لیا جاتا تو آج اسلامی معاشرہ کو انحطاط و پستی کی ہولناکیوں کا سامنا نہ کرنا پڑتا اور اغیار مسلمانوں کو یہ طعنہ نہ دے سکتے کہ یہ وقت کی تیز رفتاری کا ساتھ نہیں دے سکتے۔

پاکستان نے غور و فکر کا ایک اور موقع بہم پہنچایا ہے۔ اب بھی اگر ہم نے اپنے زندگی کے ڈھانچہ کو نہ بدلا اور سوچ سمجھ کر اپنے لئے کوئی راہ عمل اختیار نہ کی تو پھر خدا ہی جانتا ہے کہ ہم کس حد تک اسلامی ریاست کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کر سکیں گے۔ میرج کمیشن کا کام اگرچہ صرف نکاح، طلاق اور حضانت وراثت کے چند مسائل تک محدود دکھائی دیتا ہے مگر ہم اسے ایک دوسری نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ پہلا فکری و اجتہادی تجربہ ہے اگر علماء نے اس کے ساتھ تعاون کیا اور کمیشن کے محترم اراکین نے اپنی کوششوں اور مساعی کو اس انداز سے جاری رکھا۔ کہ کم از کم عائلی زندگی کی حد تک ایک معقول نظام حیات ترتیب دینے میں کامیاب ہو گئے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ "فقہ جدید" کی تشکیل و تدوین کا کام نسبتہً آسان ہو گیا۔ یعنی اگر اسی طرح آسانیاں بہم پہنچائی جائیں۔ اور محنت و سلیقہ سے کام کیا جائے تو وہ وقت دور نہیں جب ہم اپنے تمام مسائل کو حل کر سکیں گے اور ایک ایسا انداز زیست شریعت کی روشنی میں پیش کر سکیں گے جو ہر طرح معقول اور قابل عمل ہو۔

سوالنامہ کے تفصیلی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اراکین اس ضرورت سے پوری طرح آگاہ ہیں کہ عدالتوں کا موجودہ نظام سخت ناقص ہے۔ اور عائلی و ازدواجی مشکلات کو دور کرنے کے لئے تو یہ قطعی موزوں نہیں۔ اس لئے ان کے ذہن میں یہ تجویز ہے کہ اس نوع کے تمام مسائل کو نمٹانے کے لئے الگ عائلی و ازدواجی عدالتیں قائم کی جائیں جن کا لائحۂ عمل بہت سادہ اور طریق کار بے حد آسان ہو اور جو اس لائق ہوں کہ کم از کم وقت میں مقدمات کا فیصلہ کر سکیں۔ یہ تجویز نہایت معقول اور صحیح ہے، کیونکہ اصل دشواری شرعی قوانین کے نفاذ میں اب تک یہی رہی ہے کہ موجودہ عدالتیں اپنے فرائض کی گوناگونی، طریق کار کی طوالت اور پیچیدگی کی وجہ سے اس قابل نہیں ہیں کہ ان سے اس سلسلہ میں کوئی مفید مدد مل سکے۔ لہٰذا سب سے پہلا قدم یہی اٹھنا چاہیئے کہ یہ عدالتیں بدل جائیں اور ان کی جگہ ایسی مخصوص عدالتیں قائم کی جائیں جو صرف اسی نوع کے مسائل کے لئے وقف ہوں۔